بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں کچھ مدت سے ایک مسودۂ قانون زیر بحث تھا جس میں مسلمان عورتوں کے لیے فسخ و تفریق کی کچھ آسانیاں تجویز کی گئی تھیں۔ اگرچہ اس مسودۂ قانون میں متعدد نقائص تھے، اور اب کہ وہ آخری بار اسمبلی میں منظور ہو کر نکلا ہے، اس کے نقائص پہلے سے بھی کچھ زیادہ بڑھ گئے ہیں، لیکن ہم نے اس پر کسی قسم کا اظہار رائے نہیں کیا۔ اس بنا پر نہیں کہ ہمیں عورتوں کی اصلاح حال سے، یا قانون اسلامی کے صحیح و مکمل نفاذ سے دلچسپی نہ تھی۔ بلکہ محض اس بنا پر کہ ہم کسی مجلس قانون ساز کے اس حق کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ وہ شریعت اسلامی کی دفعات کو نافذ کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے، یا قانونِ شریعت کی دفعات پر اس حیثیت سے بحث کرے کہ ان میں کیا چیز مناسب ہے اور کیا غیر مناسب، اور کسے نافذ کیا جائے اور کسے نہ کیا جائے۔ یہ حق خود مسلمانوں کی اپنی بنائی ہوئی کسی اسمبلی کو بھی نہیں ہے، کجا کہ انگریزوں کی بنائی ہوئی اسمبلی کو حاصل ہو، اور وہ بھی ایسی اسمبلی جس میں غیر مسلم اکثریت کے ووٹوں پر فیصلہ کا مدار ہو۔ قانون اسلامی کے متعلق اس قسم کے مسودات موجودہ حکومت کی بنائی ہوئی مجالس قانون ساز میں پیش کر کے خواہ چھوٹے چھوٹے فوائد کتنے ہی حاصل کر لیے جائیں، مگر سب سے بڑا اور سب سے زیادہ بھاری نقصان اس سے یہ پہنچتا ہے کہ ہم خدا اور اس کے رسول کے مقابلہ میں واس اور رائے اور اپنی کے حق تشریع کو تسلیم کرتے ہیں۔ تمام دنیا کے فوائد اس نقصان عظیم کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔ مسلمانوں کے گھروں کا تباہ ہو جانا اور ان کی ہستی کا مٹ جانا اس سے لاکھ درجہ بہتر ہے کہ مسلمان قرآن اور سنت کے احکام و قوانین کو غیر مسلم قانون سازوں کے سامنے نقد و تبصرے کے لیے پیش کریں، اور ان کے سامنے ہاتھ پھیلا کر بھیک مانگیں کہ اس قانون کی ـــــ جسے ہم قانون الٰہی بھی ساتھ ہی ساتھ کہتے جاتے ہیں ـــــ فلاں

فلاں فعل کو ہمارے لیے قانون بنادو۔ پھر وہ منظر جبکہ ایک طرف مسلمان یہ بھیک کا ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو، اور دوسری طرف وہ غیر مسلم لیجسلیٹر جو فیصلہ کا اختیار رکھتا ہے، اس کی آنکھوں کے سامنے شرعی قانون میں کانٹ چھانٹ کر رہا ہو، حقیقتہً ایسا منظر ہوتا ہے کہ اس کو دیکھنے سے پہلے مسلمان کا ڈوب مرنا زیادہ بہتر ہے!

یہ معاملہ کچھ اس قدر ایمان سوز اور غیرت شکن ہے کہ اس پر قلم اٹھاتے ہوئے روح کو اذیت ہوتی ہے۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ حامیوں سے لے کر علمائے کرام تک نے اس مسودۂ قانون کو اسمبلی کے سامنے پیش کرنے میں دلچسپی لی ہے، اور اس پر اس طرح زور دیا ہے کہ گویا دین و دنیا کی فلاح اسی پر منحصر تھی، تو دل پر پتھر رکھ کر جی چاہتا ہے کہ اس آخری منظر کا نقشہ یہاں کھینچا جائے جو مسودہ کی منظوری سے پہلے ۱۴ فروری کو اسمبلی میں دیکھا گیا، شاید کہ اسی سے مسلمانوں کی سوئی ہوئی غیرت میں کچھ حرکت پیدا ہو۔

مولوی سید مرتضیٰ صاحب نے ترمیم پیش کی کہ خلع اور فسخ و تفریق کے مقدمات صرف مسلمان جج ہی کے سامنے پیش ہونے چاہئیں۔ اس پر حکومت ہند کے رکن قانون سر این این سرکار نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

> "مگر انتظامی مشکلات سے قطع نظر، حکومت ہند اس اصول ہی کو تسلیم نہیں کر سکتی کہ ایک خاص فرقہ کے مقدمات کی سماعت اسی فرقہ کے جج کیا کریں۔ اس سے دوسرے فرقوں کے ججوں کی عدالتی راستبازی پر حرف آتا ہے۔"

اس کے معنی و مفہوم پر غور کیجیے۔ جو حکومت اس اصول کو خود قائم کرتی رہی ہے کہ انگریز کے مقدمہ کی سماعت خود ہز مجسٹی کا مامور کردہ غیر انگریز جج بھی نہیں کر سکتا، جس حکومت نے اپنے حدود مملکت ہی میں نہیں بلکہ ٹرکی اور مصر اور چین کی حکومتوں کے دائرۂ اختیار میں بھی مدتوں یہ اصول تسلیم کرایا کہ انگریزی قومیت والوں کے مقدمات غیر انگریزی عدالتوں میں پیش نہیں ہو سکتے، وہی حکومت ہم سے کہتی ہے کہ تمہارے شرعی مقدمات کے بارے میں یہ اصول تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ تمہاری ہی شریعت پر ایمان رکھنے والے ان کی سماعت کریں! تم کو اپنی عورتوں کے نکاح فسخ کرنے

اور تفریق بین المرء وزوجہ کے نازک معاملات بھی غیر مسلم ججوں کے سامنے پیش کرنے پڑیں گے، چاہے وہ تمہاری شریعت پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور تعلقات زن و مرد کے متعلق ان کے نظریات تمہاری شریعت کے نظریات سے بالکل مختلف ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر تمہاری شریعت یہ کہتی ہے کہ فسخ نکاح اور تفریق بین الزوجین قاضی شرعی کے بغیر جائز نہیں، تو کہا کرے۔ اگر تمہارے دین کی رو سے غیر قاضی کے فسخ و تفریق کا اعتبار نہیں، اور اس طرح عورت کا نکاح ثانی درست نہیں ہوتا تو ہمیں اس کی کیا پروا۔ جب تم خود اپنی شریعت کو ہمارے سامنے فیصلہ کے لیے پیش کر رہے ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تم نے خود ہی اپنے خدا اور رسول کے بجائے ہم کو شارع تسلیم کیا ہے۔ لہذا ہمارے اصول تمہاری شریعت پر مقدم ہیں۔ تمہاری شریعت تابع ہے اور ہمارے اصول متبوع!

کاش یہی جواب سن کر اسمبلی کے مسلمان ممبروں کی آنکھیں کھلتیں اور وہ اس مسودے کو لا ممبر کے منہ پر مار کر باہر نکل آتے۔

مگر اسمبلی کے مسلمان ممبر! یہ مردم شماری کے مسلمان، جن کو ہماری قوم اپنے ووٹوں سے منتخب کر کے، اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتی ہے۔ ان کی دینی حمیت کے نمونے تو بارہا دیکھے جا چکے ہیں۔ مگر کبھی مسلمانوں کو احساس ہی نہ ہوا کہ ہم کس نادانی کے ساتھ اپنا ووٹ استعمال کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب، جناب آصف علی نے کانگریس پارٹی کی طرف سے اس ترمیم کی مخالفت کی۔ دوسرے بزرگ جناب عبدالقیوم نے فرمایا کہ "یہ ترمیم اصلاً غلط ہے۔ ملک میں پہلے ہی جو امتیازات (مثلاً ریلوے اسٹیشنوں پر ہندو پانی اور مسلمان پانی) پھیلے ہوئے ہیں، ان کو قانون کی سرحدوں تک ہیں نہ پہنچا دینا چاہیے"۔ یہ دونوں حضرات نیشنلسٹ مسلم جماعت کے گلہائے سرسبد اور "متحدہ قومیت" کے علمبردار ہیں۔ یہ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں کہ مسلم و کافر کے امتیازات مٹنے کے بجائے اور بڑھیں، یہاں تک بڑھ جائیں کہ اسلامی شریعت کی تعبیر و تفسیر کا حق بھی غیر مسلم سے چھین لیا جائے! مسلمان عورت کا نکاح تک غیر مسلم فسخ نہ کر سکے! "ہندو پانی" اور "مسلمان پانی" کی طرح "ہندو شاستری" اور "مسلم قاضی" کی آوازیں بھی آنے لگیں!

یہ اس "متحدہ قومیت" کی تفسیر ہے جس کے متعلق ہم کو قرآن وحدیث کی سند سے بتایا جاتا ہے کہ خدا بھی اس پر راضی ہے اور رسول کے عمل سے بھی ثابت ہے۔ "امۃ مع المومنین" والے معاہدہ کو پھر ذرا ملاحظہ فرمالیا جائے۔ کچھ اس قومیت کا پتہ نشان بھی وہاں ملتا ہے کہ نہیں؟

مسٹر ایني کانگریس نیشنلسٹ پارٹی کے لیڈر نے خوب کہا اور بالکل سچ کہا کہ:۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ ان مقدمات کی سماعت کے لیے مسلمان جج پر کیوں اصرار کرتے ہیں۔ آپ خود ہی تو اسلامی پرسنل لا کے بجائے مجلس قانون ساز کا بنایا ہوا قانون وجود میں لارہے ہیں۔ آپ ایک غیر دینی مجلس سے اسلامی قانون کی تعبیر اور اس کے اطلاق کا تصفیہ کرارہے ہیں۔ اب اگر یہ مجلس قانون بنانے کا اختیار رکھتی ہے تو اس بات کا بھی اختیار رکھتی ہے کہ اس قانون کی تعبیر کا حق جن منصفوں کو چاہے دے، بلا اس لحاظ کے کہ ان کا عقیدہ کیا ہے۔"

یہ سیدھی اور صاف بات ایک غیر مسلم تو سمجھ گیا، مگر نہ سمجھے تو ہمارے وہ ماہرینِ قانون جنھوں نے مسودہ مرتب اور پیش فرمایا، اور وہ پیشوایانِ دین اور وہ علمبردارانِ حریت جنھوں نے انگریز کی قائم کی ہوئی غیر اسلامی مجلس آئین ساز کے سامنے اسلامی قانون کے نفاذ کی بھیک مانگنے کو نہ صرف جائز رکھا بلکہ اس کی پرزور حمایت کی۔

میں مانتا ہوں کہ شریعت کے قوانین پوری طرح نافذ نہ ہونے سے ہمارے معاملات بگڑ رہے ہیں، ہماری معاشرت اور ہمارے تمدن کا نظام مختل ہو رہا ہے، ہمارے گھر تک خراب ہو رہے ہیں۔ ہمیں شرعی قانون کے نفاذ کی بلاشبہ ضرورت اور سخت ضرورت ہے۔ مگر اس کی یہ کونسی صورت ہے کہ ہم خدا اور رسول کے قانون کو انگریزی اسمبلی کے سامنے پیش کریں، اور وہ جانچ پڑتال کے لیے سلکٹ کمیٹی کے حوالہ کیا جائے، اور اس کی دفعات پر کوئی سرکار، کوئی ایني، کوئی آصف علی، کوئی عبدالقیوم رد و قدح کرے، اور ان کی تشریح کی

بنا پر نہ کہ اللہ اور اس کے رسول کی تشریع کی بنا پر وہ قانون، قانون بنے؟ چھوڑیئے غیرت اور حمیت کے سوال کو۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ سرکار اور یہ اینی اور یہ آصف علی اور عبدالقیوم ہوتے کون ہیں کہ یہ اسلامی قانون بنائیں اور ان کا بنایا ہوا قانون مسلمانوں پر اسلامی قانون کی حیثیت سے نافذ ہو؟ اسلامی قانون تو وہی ہے جو صرف خدا اور اس کے رسول کی سینکشن سے قانون بنے۔ کسی عمرو زید کا بنایا ہوا قانون، خواہ اس کی دفعات لفظ بلفظ اسلامی قانون سے ملتی ہوئی کیوں نہ ہوں، اسلامی قانون نہیں ہو سکتا، جبکہ اس کا قانون ہونا خدا اور اس کے رسول کے سوا کسی اور کی سینکشن پر مبنی ہو۔ غیر مسلم جج نہ سہی، مسلمان جج بھی اگر مقرر کر دیا جائے تو وہ بھی ایسے قانون کی رو سے مسلمان عورت کا نکاح فسخ نہیں کر سکتا۔ مسلمان عورت خدا کے قانون کی رو سے مسلمان مرد کے لیے حلال ہوتی ہے۔ غیر اللہ کا قانون اس کو اس مرد کے لیے حرام اور دوسرے مرد کے لیے کس طرح حلال کر سکتا ہے؟ آپ پر جو مشکلات اور مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں وہ غیر اسلامی نظام کی اطاعت قبول کرنے کی قدرتی پاداش ہیں۔ اس سزا سے بچنے کے لیے اگر آپ غیر شارع کو شارع کا منصب دیں گے تو یہ اسی قسم کی حرکت ہوگی جیسے کوئی شخص ٹپکے کی مصیبت سے بچنے کے لیے چھت ہی گرا دے۔ ایک گناہ کی سزا سے بچنے کے لیے دوسرا گناہ اور عظیم ترین گناہ کرنا بچاؤ کی صورت نہیں ہے بلکہ اور زیادہ بربادی کی صورت ہے۔ بچاؤ کے سارے راستے بند ہیں۔ صرف ایک راستہ کھلا ہے اور وہ یہ ہے کہ غیر اسلامی نظام کو مٹا کر اسلامی نظام قائم کرنے کے لیے جنگ کیجیے، اس کے لیے جیل جائیے، اس کے لیے لاٹھیاں کھائیے اس کے لیے سر تک دے دیجیے۔ تمام قربانیوں کا مستحق یہی ایک مقصد ہے اور باقی سب چھوٹے مقاصد ہیں۔

خدا اور اس کے رسول کے احکام سے بغاوت کی وبا مسلمانوں کی جماعت میں جس حد تک پہنچ چکی ہے اس کا اندازہ ایک واقعہ سے کیجیے جو ابھی پچھلے ہی مہینہ میں پیش آیا ہے۔ اگرچہ جسم قومی کے ان ناصوروں کو بار بار دکھانا نہ میرے لیے خوشگوار ہے، نہ ان کو دیکھنا برادرانِ دینی ہی کے لیے خوشگوار

ہوسکتا ہے، مگر کیا کیجیے کہ یہ ناسور ہیں موجود، اور روز افزوں شدت کے ساتھ رس رہے ہیں، اس لیے آنکھیں بند کرنے سے کچھ حاصل نہیں۔ انھیں دکھانا اور بار بار دکھانا چاہتا ہوں کہ پورے جسم کے سڑنے سے پہلے مسلمان اُن کی طرف متوجہ ہوں۔

ریاست کپورتھلہ میں سلطان پور لودی ایک پرانا تاریخی مقام ہے جہاں ہمارے رفیق مستری محمد صدیق صاحب کچھ عرصہ سے مسلمانوں کو اقامتِ صلوٰۃ کی تلقین کر رہے ہیں۔ اس تلقین و تبلیغ کے مقابلہ میں سب سے زیادہ جس خاندان نے انحراف و استکبار کیا وہ مقامی ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب اور ان کا خاندان تھا۔ مستری صاحب نے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر کار انھوں نے باہر کے لوگوں سے مدد مانگی۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمٰن لودھیانوی اور یہ عاجز، دونوں سلطان پور پہنچے اور ہم نے انتہائی نرم طریقے سے افہام و تفہیم کی، لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔ مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد جو اطلاعات مجھ تک پہنچیں وہ یہ ہیں کہ مستری صاحب نے حکم الٰہی کی تبلیغ برابر جاری رکھی، اور اس پر ان لوگوں کا استکبار یہاں تک بڑھ گیا کہ مار پیٹ پر اتر آئے۔ اِدھر سے نہایت عاجزی و مسکنت کے ساتھ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ کا حکم سنایا گیا اور اُدھر سے جواب میں ڈنڈے برسائے گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ کیا اس حد کو پہنچ کر بھی کوئی شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟ اول تو عادۃً ترکِ نماز خود ایک ایسا فعل ہے جس پر ایمان کے مسلوب ہو جانے کا ظن غالب ہوتا ہے۔ تاہم زمانہ کے بگڑے ہوئے حالات کی رعایت سے اس بارے میں حکم کو کچھ نرم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جب فرض یاد دلایا جائے اور اس کا جواب صریح انکار سے دیا جائے، اور جب انکار پر اتنا اصرار ہو کہ فرمانِ الٰہی سنانے والے کو مارا جائے تو بتائیے کہ ایسے دل میں ایمان کا شائبہ بھی ہو سکتا ہے؟ ایسے لوگ بھی مسلمان ہوں تو آخر نامسلمان کون ہوں گے؟

مگر واقعہ یہ ہے کہ ہماری قوم میں ایسے ایک دو نہیں بکثرت لوگ شامل ہیں۔ کریدے نہیں گئے اس لیے ان کا حال چھپا ہوا ہے، اور محض گناہ گار مسلمان ہی سمجھ کر چھوڑ دئے جاتے ہیں۔ اگر کریدے جائیں تو صاف

کھل جائے کہ شدید قسم کے منافق ہیں جو مسلمان کی حیثیت سے ہماری قوم میں شامل ہیں۔ مسلمانوں کی معاشرت میں گھسے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں میں شادی بیاہ کر رہے ہیں۔ مسلمان بچوں کے معلم ہیں۔ قومی ادارات کے کرتا دھرتا ہیں۔ سیاسی مجالس میں قوم کے نمائندے ہیں۔ غرض ہر جگہ مسلمان کے طور پر لیے جا رہے ہیں۔ یہ نو کروڑ کا عظیم الشان جسم جو آپ کو نظر آ رہا ہے اس کا پھیلاؤ بڑی حد تک اسی آماس، اسی سوجن کا رہین منت ہے۔ اسی لیے جتنا اس جسم کا پھیلاؤ ہے اتنا اس میں زور نہیں ہے۔ سوجے ہوئے جسم کا مٹاپا قوت کا نہیں، الٹا ضعف کا سبب ہوتا ہے۔ مردم شماری کا یہ عدد کثیر دراصل ان منافقین کی تعداد کثیر ہی سے بنا ہے، اور اسی نے ہم کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ ہم اس تعداد کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اللہ اکبر! ہم ہندوستان میں نو کروڑ ہیں۔ بھلا اتنی بڑی قوم بھی کہیں بے بس اقلیت (HOPELESS MINORITY) ہو سکتی ہے۔ مگر سوچنے کا مقام ہے کہ "مسلمان" اور وہ بھی نو کروڑ کسی ایک ملک میں موجود ہوں، اور پھر ان کے دبدبے سے وہ ملک لرز نہ اٹھے، ان کے وزن سے اس ملک کا ہر ذرہ دب نہ جائے، یہ کہیں ممکن ہے؟ کہیں یہ بات تصور میں بھی آ سکتی ہے کہ "مسلمان" اتنی بڑی تعداد میں ہو کر بھی غلام ہوں، بے وزن اور بے اثر ہوں؟ یہ دراصل ممکن ہی اس وجہ سے ہوا کہ اس مردم شماری میں اکثریت منافقوں کی ہے۔ خدا کے قانون سے بغاوت کرنے والے اس میں بھرے ہوئے ہیں۔ اس میں ان لوگوں کی کثرت ہے جن کو خدا کی اور اس کے قانون کی ذرہ برابر پروا نہیں۔ یہ بھاری بھرکم تعداد ایسے بہت لوگوں پر مشتمل ہے جو مہاراجہ کپورتھلہ کے تو چپراسیوں تک کا حکم ماننے سے انکار نہیں کر سکتے اس لیے کہ وہاں سے روٹی بھی ملتی ہے اور جوتی بھی مل سکتی ہے، مگر خدا کے بڑے سے بڑے حکم کو بھی ٹھکرا سکتے ہیں اس لیے کہ نہ وہ انھیں روٹی دیتا نظر آتا ہے، اور نہ انھیں اس سے کسی سزا کا خوف ہے۔ اس قسم کے منافقین کی کثرت ہی نے ہمیں اس قدر کمزور کیا ہے۔ اگر یہ سب کے سب ہماری جماعت سے نکل جائیں اور حقیقی مسلمان نو کروڑ نہیں ۹ لاکھ بلکہ اس سے بھی کم رہ جائیں تو خدا کی قسم ہمارا وزن موجودہ حالت سے بدرجہا زیادہ ہوگا اور ہم اب سے بہت زیادہ زور آور ہوں گے۔

مسلمانوں کو در حقیقت متبعین اسلام کی تعداد بڑھانے کی جس قدر ضرورت ہے اس سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ منافقین کی اس بھرتی سے اپنی جماعت کو صاف کر دیں۔ ان کا نکلنا رحمت ہے اور ان کا شامل رہنا لعنت ہے۔ جن کی گردن خدا کے سامنے اکڑتی اور بندوں کے سامنے جھکتی ہے ان کی ہمیں قطعاً ضرورت نہیں۔ ہم کو صرف ان کی ضرورت ہے جو خدا کے سامنے جھکنے والے اور سب کے سامنے اکڑنے والے ہوں۔ آنکھیں یہ دیکھتے دیکھتے تھک گئی ہیں کہ جو لوگ قانونِ الٰہی سے کھلم کھلا باغی ہیں وہ نہ صرف مسلمانوں میں شامل ہیں بلکہ اسلام کے نام سے فائدہ اٹھانے میں سب سے پیش پیش ہیں۔ مسلم قوم کے نام پر حقوق لینے ہوں، روٹیاں حاصل کرنی ہوں، اعزاز اور مناصب اور کرسیاں طلب کرنی ہوں تو یہ درجۂ اول کے مسلمان لیکن اسلامی عقائد اور اسلامی احکام کی پابندی کے لحاظ سے دیکھیے تو کسی درجہ کے مسلمان بھی نہیں، بلکہ اسلام سے، اُس کے عقائد سے، اس کے احکام سے، اس کے شعائر سے غرض ہر چیز سے منحرف، اور صرف منحرف ہی نہیں بلکہ علی الاعلان باغی۔ اگر ان لوگوں میں کسی قسم کا اخلاقی احساس موجود ہوتا تو جس وقت یہ اپنے اندر یہ بات پاتے کہ اسلام کی اطاعت پر ان کا نفس آمادہ نہیں ہے، یا اسلام ان کے دل و دماغ میں نہیں اُترتا اُسی وقت اپنے غیر مسلم ہونے کا صاف اظہار کر دیتے اور مسلمانوں کی سوسائٹی سے الگ ہو جاتے۔ اس صورت میں ہم ان کو کم از کم انسانی احترام کا مستحق تو ضرور سمجھتے۔ لیکن جو طریقہ انھوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ انہیں کسی عزت اور کسی احترام کا مستحق نہیں رکھتا اس لیے کہ منافق اور جاسوس کے لیے دنیا کے کسی قانون میں بھی کوئی حرمت نہیں۔ آزاد قوموں میں ایسے لوگوں کو پھانسی دی جاتی ہے۔ ہم آزاد نہیں تو کم از کم اتنا ہی کر سکتے ہیں کہ ان کو اپنی جماعت سے نکال باہر کریں، چاہے یہ ہمارے بھائی بند اور عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں

اسلام باپ سے بیٹے کو نطفہ میں نہیں ملتا کہ جو مسلمان کے گھر پیدا ہو وہ لامحالہ مسلمان ہی ہو۔ اسلام کوئی نسلی قومیت نہیں ہے کہ جس طرح انگریز بہر حال انگریز رہتا ہے خواہ اس کے عقائد اور اصول حیات کیسے ہی

ہوں، اسی طرح مسلمان بھی بہر حال مسلمان ہی رہے، خواہ وہ قرآن کی تعلیم اور اس کے احکام کا متبع ہو یا نہ ہو۔ جن لوگوں نے مسلمان کے معنی یہ سمجھے ہیں، اور اس بنا پر وہ اسلام سے باغی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو نہ صرف مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں بلکہ مسلم قومیت کے علمبردار اور حقوق مسلمین کے وکیل بھی بنتے ہیں، ہیں ان سے صاف کہتا ہوں کہ وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اسلام محض ایک عقیدہ، ایک مسلک اور ایک نظام زندگی ہے۔ جو اس کی صحت وصداقت پر ایمان لا کر اس کا اتباع کرتا ہے وہی مسلمان ہے، اور جو اعتقاداً و عملاً اس کا متبع نہیں وہ مسلمان بھی نہیں۔ اس کا باپ اگر اس مسلک کا پیرو تھا تو ضرور وہ مسلمان تھا لیکن اگر وہ خود اس کا پیرو نہیں ہے تو وہ مسلمان نہیں ہے اور مسلمانوں کی جماعت میں اس کا شامل رہنا سراسر ایک جعل ہے۔ مارکس یا لینن کی اولاد اگر سوشلزم کی معتقد نہ ہو تو آپ انہیں محض اس بنا پر سوشلسٹ نہیں کہہ سکتے کہ ان کا باپ سوشلسٹ تھا۔ مسولینی کا بیٹا اگر فاشزم کا معتقد نہ ہو تو آپ اسے فاشسٹ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ مسولینی کا خون چاہے اس کو نطفہ میں ملا ہو مگر فاشزم تو نہیں ملا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اسلام بھی جب اسی طرح ایک نسلی چیز نہیں بلکہ شعوری اور مسلکی چیز ہے، تو ان لوگوں کو مسلمان کہا جائے جو مسلمان ماں باپ کی اولاد ضرور ہیں مگر نہ اپنے شعور کے اعتبار سے مسلمان ہیں اور نہ مسلک کے اعتبار سے۔ اسی بنا پر تو قرآن نے حضرت نوح کے بیٹے پر اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کا حکم لگایا ہے۔

اگر کسی دوکان پر آپ "ولایتی سودیشی بھنڈار" کا بورڈ لگا دیکھیں، یا کسی سوسائٹی کا نام "اشتراکی مہاجنوں کی جماعت" سنیں تو یقیناً آپ کو یہ چیز مضحکہ انگیز معلوم ہوگی، کیونکہ یہ صریح تناقضِ بیان (CONTRADIC-TION IN TERMS) ہے۔ لیکن آپ "اسلامی بینک" اور "اسلامی انشورنس کمپنی" جیسے نام سنتے ہیں اور آپ کو ہنسی نہیں آتی، اور نہ اس میں آپ کو کسی قسم کا تناقض محسوس ہوتا ہے۔ آخر اس بے شعوری کی وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ اسلام کے متعلق آپ کا تصور بالکل غلط ہے۔ آپ مسلمان زادے کو لازماً مسلمان سمجھتے ہیں، اور پھر

یہ مسلمان جو کچھ بھی کرے وہ آپ کے نزدیک "اسلامی" ہوتا ہے، خواہ وہ اصول اسلام کی عین ضد ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ بعید نہیں کہ اس بے شعوری کی بنا پر آپ رفتہ رفتہ اسلامی شرابخانہ، اسلامی قحبہ خانہ، اسلامی قمارخانہ، اسلامی رقص گاہ وغیرہ ناموں کو سننے اور قبول کرنے کے لیے بھی تیار ہو جائیں!

مسلمانوں کی زندگی میں ہر طرف یہی تناقض مجھے نظر آرہا ہے۔ ایک صاحب کسی ہوٹل میں بیٹھ خدا اور رسول کا مذاق اڑا رہے ہیں اور اسلام پر پھبتیاں کس رہے ہیں، مگر پھر بھی مسلمان ہیں۔ دوسرے صاحب مارکس پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور محمدؐ رسول اللہ کی تعلیم کے متعلق خود کہتے ہیں کہ میرے دماغ میں نہیں سماتی۔ مگر یہ بھی مسلمان ہیں۔ تیسرے صاحب سود کھاتے ہیں اور زکوٰۃ کا نام تک نہیں جانتے مگر یہ بھی مسلمان! ایک اور بزرگ بیوی اور بیٹی کو میم صاحب یا شریمتی بنائے ہوئے سینما لیے جا رہے ہیں یا کسی رقص و سرود کی محفل میں صاحبزادی سے وائیولین بجوا رہے ہیں اور آپ کے ساتھ بھی لفظ مسلمان بدستور چپکا ہوا ہے۔ ایک دوسری ذات شریف کے لیے نماز روزہ، حج زکوٰۃ سب حرام اور شراب زنا سود اور ایسی ہی سب چیزیں حلال، اسلام اور اس کی تعلیمات کے متعلق ایک حرف نہیں جانتے، زندگی دیکھیے تو ان میں اور ایک ہندو یا عیسائی یا پارسی کی زندگی میں رتی برابر فرق نہیں، مگر ان کو بھی مسلمان ہی کہا جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے آپ اپنی جماعت کا جائزہ لیں گے تو اس میں بھانت بھانت کا "مسلمان" آپ کو نظر آئے گا۔ مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ اس کا شمار نہ کر سکیں گے۔ اسلام کے گھر کو ایک چڑیا گھر سمجھ لیا گیا ہے کہ جس میں چیل، کوّے، گدھ، بٹیر، تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں اور ان میں سے ہر ایک "چڑیا" ہے کیونکہ چڑیا گھر میں داخل ہے۔ خدارا کوئی بتائے کہ یہ آخر کیا مذاق ہے، اور کب تک جاری رہے گا؟ کیوں نہ ہم اس چڑیا گھر کو توڑ دیں تاکہ اس "چڑیائی" قومیت کا خاتمہ ہو جائے اور ہر چڑیا اپنی اپنی جنس سے جا ملے؟ یہ ناجنسوں کا اجتماع آخر کس معنی میں ہمارے لیے مفید ہے؟

ابھی ایک صاحب کا خط میرے پاس آیا ہے جس میں انھوں نے مسلمانوں کے ایک بڑے مشہور لیڈر کے ساتھ اپنی گفتگو کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ یہ لیڈر صاحب ہمارے قومی حقوق کے علمبردار اکبر ہیں، اور اس حیثیت سے ان کو مسلم اکبر ہونا چاہیے تھا مگر خیالات یہ ہیں کہ سیاست اور مذہب کو الگ الگ ہونا

چاہیے، اور دلیل میں سند لاتی ہیں کمال اتاترک کی سنت سے۔

میں نے مراسلہ نگار کو جواب دیا کہ اپنے ان لیڈر صاحب سے کہہ دیجیے کہ تم جاہل ہو اور تمہارے وہ ائمہ جن کی سنت کا تم اتباع کر رہے ہو، تم سے بڑے جاہل تھے۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی دوسری چیز کے عالم بلکہ ماہر ہو، مگر اسلام میں تمہاری حیثیت یقیناً ایک جاہل مطلق کی ہے۔ تم کہتے ہو کہ سیاست کا تعلق اسلام سے کاٹ دیا جائے۔ بہت اچھا۔ مان لیا کہ کاٹ دینا چاہیے۔ مگر بتاؤ کہ زندگی کی کس چیز کا تعلق تم اسلام سے قائم رکھنا چاہتے ہو؟ تمدن و معاشرت کا؟ معاشی معاملات کا؟ اخلاق و آداب کا؟ تعلیم کا؟ اجتماعی قوانین کا؟ ایک ایک چیز کے حق میں تمہارا یہی فیصلہ ہے کہ اسے بھی کاٹو، اور عملاً تم کاٹ چکے ہو۔ تھوڑی دیر کے لیے ہم مانے لیتے ہیں کہ یہ سب چیزیں بھی اسلام سے الگ کر دی جائیں۔ اچھا اب اُن چیزوں کے متعلق کہو جن کو تم کہتے ہو کہ یہ مذہب ہیں، عقائد؟ ان کے متعلق تم کہتے ہو کہ خیالاتِ جدید (MODERN THOUGHT) معیارِ حق ہیں۔ جو باتیں ان کے مطابق ہیں وہ تو اسلام میں رہیں اور جو ان کے خلاف ہیں وہ نکالی جائیں یا بدلی جائیں۔ اور لطف یہ ہے کہ اگر تم سے پوچھا جائے کہ اسلام میں کیا چیزیں خیالاتِ جدید کے موافق ہیں، وہی بتا دیجیے؟ تو تم اس کا جواب بھی نہیں دے سکتے، حتیٰ کہ اسلام کے متعلق تم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے کہ اسلام وہی ہے جو کہ اسلام ہے! اس کے بعد احکام اور فرائض کا سوال سامنے آتا ہے۔ ان میں سے کس چیز کی پابندی کے لیے تم تیار ہو؟ نماز کی؟ روزہ کی؟ حج کی؟ زکوٰۃ کی؟ کسی چیز کی پابندی کے لیے بھی تم تیار نہیں۔ درحقیقت ان کو تم فرض ہی نہیں جانتے۔ اچھا نکاح؟ اس باب میں تمہارا فتویٰ یہ ہے کہ یہ کوئی مذہبی چیز نہیں۔ محض ایک تمدنی معاملہ ہے۔ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان بھی ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور اس دائرے سے نکل کر بھی کچھ خوش طبعی کر لی جائے تو دقیانوسی خیالات کی پیروی نہ کرنی چاہیے کہ اس پر ناک بھوں چڑھائی جائے۔ اب ارشاد ہو کہ یہ سب چیزیں نکل جانے کے بعد اسلام ہے کیا چیز؟ اس میں رہ کیا جاتا ہے؟ فقط نام؟ یہ اسم بے مسمیٰ ہے جس کے علمبردار بن کر آپ اٹھے ہیں؟ اس نام کے لیے ہم دنیا بھر سے لڑائی مول لیں؟ اس کے لیے ہم ہر ایک قوم سے الگ اپنی جمعیت بنائیں؟ اس کے لیے تمہارے جلوس نکالیں اور تمہیں جھنڈے پر چڑھائیں؟ یہ تمہاری چیخ پکار اور یہ تمہاری بلند آہنگیاں ایسی بے معنی شے کے لیے ہیں؟

یہ لوگ علم سے تو محروم ہیں ہی۔ مگر ان غریبوں کو معمولی عقل عام سے بھی کوئی بہرہ نہیں ملا۔ یہ سوشلسٹ سے نہیں کہہ سکتے کہ تو سوشلزم کو سیاست اور معیشت اور تمدن سے الگ کر دے۔ یہ نازی اور فاشسٹ سے نہیں کہہ سکتے کہ تو نازیت اور فاشزم

کا تعلق تمدنی نظریات اور سیاسی اور معاشی معاملات سے کاٹ دے۔ اگر ان کے سامنے ایسی کوئی تجویز پیش کی جائے تو یہ خود اس پر قہقہہ لگائیں گے اور کہیں گے کہ تمہارا دماغ خراب ہوا ہے۔ یہ غیر معقول بات تمہارے ذہن میں آئی کیسے کہ سوشلسٹ کی سیاست یا اس کی معیشت سوشلزم سے الگ ہوجائے؟ ان چیزوں کی نفی خود سوشلزم کی نفی ہے، اور سوشلسٹ ان کی نفی قبول کر کے سوشلسٹ رہ کیسے سکتا ہے؟ وہ جب دوسرے کسی نظام کے اصول اور نظریات اختیار کرے گا تو غیر سوشلسٹ ہوجائے گا۔ آپ جب چاہیں اس قسم کی کوئی تجویز ان کے سامنے پیش کر کے دیکھ لیں۔ ان کی طرف سے جو جواب میں دے رہا ہوں، لفظ بلفظ یہی جواب خود ان کے منہ سے آپ سن لیں گے۔ مگر یہ عقل کے دشمن جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، سوشلسٹ اور نازی و فاشسٹ کی پوزیشن تو سمجھ لیتے ہیں، البتہ مسلمان کی پوزیشن نہیں سمجھ سکتے۔ ان کی عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ سیاست میں غیر مسلم معیشت میں غیر مسلم، تمدن و معاشرت میں غیر مسلم، اخلاق اور قانون میں غیر مسلم، افکار اور نظریات میں غیر مسلم، عقائد اور اعمال میں غیر مسلم ہونے کے بعد آدمی مسلم کیسے ہو سکتا ہے؟ اسلام جن عناصر سے مرکب ہے وہ سب نکل جائیں اور پھر اسلام بدستور قائم کا قائم رہے۔ مسلم جن خیالات کے معتقد اور جن اصولوں کے پیرو کا نام ہے وہ سب اس سے سلب کر لیے جائیں اور پھر وہ مسلم بھی کہلائے۔ کیسی متناقض بات ہے؟ ان لوگوں کا دماغ خراب نہیں ہوا تو اور کیا ہوا ہے کہ یہ مسلمان سے کہتے ہیں کہ تو غیر مسلم ہو جا اور پھر مسلمان بھی رہ؟

یہ ان لوگوں کا حال ہے جو مسلمانوں کی کشتی کے کھویا بنے ہوئے ہیں۔ سبحان اللہ! ایسا وقت آنا بھی ہماری قسمت میں لکھا تھا کہ گندے پانی کے نہنگ کشتی اسلام کے ملاح بنیں۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

عجیب فتنہ کا دور ہے۔ جو زبانیں اس لائق بھی نہ تھیں کہ اسلام کا پاک نام لے سکیں وہ اس کی وکیل، اس کی نقیب اور اس کی حمایت کی ذمہ دار بنی ہیں۔ منافق افراد سے قوم بھری ہوئی ہے۔ رؤسائے منافقین رہنمایانِ قوم بنے ہوئے ہیں۔ اسلام کا علم رکھنے والے دعیٰ پوشوں پر "قومیت متحدہ" کا بھوت سوار ہے۔ ان کی غیرتِ ایمانی اتنی سرد ہو چکی ہے کہ کفار کو اپنا امام ماننے میں بھی تامل نہیں کرتی۔ اب خدا کے سوا کون ہے جس سے فریاد کی جائے۔ یا تو وہ ہمیں اس پاک دنیا سے اٹھا لے، یا پھر اپنی طاقت بخشے کہ ان سارے فتنوں کا سر کچل دیں۔